مذاہب فہمی کے اسلامی منہج سے متعلق منٹگمری واٹ کا مؤقف

Montgomery Watt’s opinion about Islamic approach towards understanding of religions

Irfan Sagheer
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, NUML, Islamabad
Email: hirfan125@gmail.com

Shazia Yasmeen
MS Scholar, Department of Arabic and Islamic Studies, AIOU Islamabad
Email: Moazraza15@gmail.com

Sarzameen Khan
PhD Scholar, Department of Islamic Studies, AWKU, Mardan
Email: Sarzamin.mscr404@iiu.edu.pk

ISSN (P):2708-6577
ISSN (E):2709-6157

Abstract
Montgomery Watt has, while writing about Muslim Christian relations, has claimed that Muslims have never shown serious interest in the study of other religions in classic Era because of various reasons. According to him the self sufficiency of Islam, refutation of Israiliyat, Order of Umar, the second caliph of Islam about to burn the books of Alexsendia which were considered to be contradictory with Islamic values, critique of Imam Ahmed bin hanbal about the books of Mutazila and many other elements were there to urge muslims to stay away from the study of the books of other religions. In this article, Watt’s claim has been taken in to consideration and it has been analysed on the factual evidences. The conclusion of this article shows that the opinion of Watt is not supported by authentic and reliable academic evidences because there were always spaces in Muslim communities for have interest in comparative study of world religions. The article contains those proofs which elaborate the other side of reality regarding Muslims attitude towards understanding other religions.

***Key Words**: Montgomery Watt, Orientalist, Comparative Religions, Muslims, Islam, Scholars, Scholarship*

تعارف:

منٹگمری واٹ(William Montgomery Watt) ایڈنبرا یونیورسٹی سکاٹ لینڈ میں عربی اور علوم اسلامیہ کا پروفیسر تھا اور مسلمان تجزیہ نگاروں کی جانب سے اس کو آخری مستشرق قرار دیا گیا ہے[1]۔واٹ نے جن شعبوں میں دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی تحقیقات پیش کی ہیں ان میں اسلامی مکاتب فکر، سیرت النبی ﷺ، اسلامی تاریخ، فکرِ غزالی اور مسلم مسیحی تعلقات وغیرہ شامل ہیں۔1930ء میں منٹگمری واٹ کو اپنے ایک پاکستانی قادیانی ہمسائے خان عبد المنان کے ساتھ مذہبی موضوعات پر تبادلہ خیال کرنے کا موقع ملا۔اس کے بعد مذہبی پروگراموں میں بھی اس کو اسلام کے بارے میں سیکھنے اور بولنے کے مواقع میسر آئے تھے۔یہاں سے اسلامی علوم میں اس کی دلچسپی میں اضافہ ہو گیا تھا[2]۔

منٹگمری واٹ نے معروف مستشرق رچرڈ بیل(Richard Bell) کی نگرانی میں کلاسیکی عہد کے اسلامی افکار میں تقدیر کے تصور پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھا تھا۔اس نے تقریبا تیس کتاب لکھی ہیں جو اب اسلام اور استشراق کے حوالے سے علمی حلقوں کی توجہ حاصل کر چکی ہیں۔ان میں سے مندرجہ ذیل اہم ہیں:

- Free Will and Predestination in Early Islam (1948)
- The faith and practice of al-Ghazālī (1953)
- Muhammad at Mecca (1953)
- Muhammad at Medina (1956)
- Muhammad: Prophet and Statesman (1961)
- Islamic Philosophy and Theology (1987)
- Islamic Political Thought (1998)
- Islam: A Short History (1999)

1991ء میں منٹگمری واٹ کی کتاب "Muslim-Christian Encounters: Perceptions and Misperceptions" منصہ شہود پر آئی تھی۔ اس میں ایک باب کا عنوان "IslamicSelf-Sufficiency" ہے۔اس باب میں منٹگمری واٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ کلاسیکی عہد میں مسلمانوں نے دیگر ادیان کے افکار کا مطالعہ کرنے میں دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔جب کہ دنیا بھر کے مسلم اور غیر مسلم سکالرز نے مذاہب عالم کے مطالعہ کے ضمن میں مسلمانوں کی خدمات کو تسلیم کیا ہے۔جس کا لب لباب یہ ہے کہ مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کے ضمن میں مسلمان تہذیب نے انسانی ذہنی ارتقاء میں انتہائی مؤثر کردار ادا کیا ہے۔اس مقالہ میں منٹگمری واٹ کے دعویٰ کا تجزیہ کرتے ہوئے تقابل ادیان کے ضمن میں مسلمانوں کی خدمات کو مثالوں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

منٹگمری واٹ کے دلائل

منٹگمری واٹ کا مؤقف ہے کہ مسلمانوں کے نظامِ اخلاق میں کاملیت کا عنصر ان کی تمام مذہبی وفکری ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کافی ہے۔اس لیے انہیں کبھی دیگر ادیان سے اعتناء برتنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ہے۔واٹ نے یہ تسلیم کیا ہے کہ:

Islam possesses in essentials all the religious and moral truth required by the whole human race from now until the end of time. Hence in the religious and moral sphere Islam has nothing to learn from any other system of thought.

نسلِ انسانی کو عہد حاضر اور مستقبل کے زمانوں میں جن اخلاقی اصول وضوابط کی ضرورت ہے وہ اسلام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔اخلاقی امور کے ضمن میں اسلام اور مسلمانوں کو دیگر مذاہب اور ان کے پیروکاروں سے کچھ بھی سیکھنے یا مستعار لینے کی ضرورت نہیں ہے[3]۔

اسلام کے بطور ضابطہ حیات خود انحصاری کے ضمن میں واٹ کے دعویٰ میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی ہے کیونکہ ان میں اسلامی کی بنیادی تعلیمات کی تاثیر کو ان کی حقیقت کے مطابق تسلیم کیا گیا ہے۔یہاں یہ پہلو بھی ملحوظ رہے کہ اسلامی مصادر میں مذکور تمام تعلیمات کا حقیقی منبع اور مشرب اللہ تعالیٰ ہے۔اس میں دیگر مذاہب کے مصادر میں انسانی عمل دخل ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمان علماء نے ہمیشہ قرآن، سنت، اجماع اور قیاس سے استفادہ کیا ہے[4]۔

عقائد اور اعمال کی ترویج میں اسلام کی مذہبی فوقیت کے فہم میں یہی تعلیمی خود انحصاری بنیادی اور اساسی کردار بھی ادا کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[5]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور ان کا بھی جو تم میں سے حکم دینے والے ہیں، پھر اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔

یہاں تک تو واٹ کا دعویٰ قابلِ قبول معلوم ہوتا ہے۔لیکن مسلمانوں کے مطالعہ مذاہب سے اغماض کی توضیح کرتے ہوئے اس نے مزید لکھا ہے کہ مسلمان علماء نے اسلام کے اسی تعلیمی خود انحصاری کے عنصر کو مد نظر رکھتے ہوئے عام مسلمانوں کو ہمیشہ دیگر ادیان کا مطالعہ کرنے اور ان سے استفادہ کرنے سے دور رکھا ہے۔مسلمان علماء نے یہ تعلیم دی ہے کہ بقیہ ادیان باطل ہیں اور ان میں گمراہی ہے لہذا کسی بھی مسلمان کا ان میں دلچسپی لینا مضر ہے۔جب مسلمان علماء مسلمانوں کے مکاتب فکر اور فرقوں کے بارے میں کتابیں لکھتے تھے تب وہ پیغمبرِ اسلام ﷺ کی اس حدیث کا حوالہ ضرور دیتے تھے جس کے مطابق مسلمان بہتر فرقوں میں منقسم ہو جائیں گے۔وہ مخالف فرقوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنے میں نہ صرف خود دلچسپی کا مظاہرہ کرتے تھے بلکہ اپنے شاگردوں کی بھی اس ضمن میں حوصلہ افزائی کرتے تھے لیکن ان کے نزدیک دیگر ادیان کے فہم کا کوئی بھی منہج تحسین کے لائق نہیں تھا۔عہدِ وسطیٰ میں اس ضمن میں محض ایک یا دو مستثنیات ملتی ہیں۔حالیہ عشروں میں اسلامی جامعات میں مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے کی داغ بیل ڈالی گئی ہے۔واٹ کے مطابق:

The result of this general attitude has been that Muslim ulema, the official religious scholars of Islam, have constantly tried to prevent ordinary Muslims from gaining any knowledge of false or heretical doctrines. When Muslim scholars wanted to write books about the Muslim sects, it was necessary for them, before they did so, to justify their enterprise by claiming that they were explaining and illustrating a statement of Muhammad's about the seventy-three sects of Islam. In a similar way Muslims have shown no interest in studying doctrines of other religions. There were indeed one or two exceptions to this in medieval times, but it is only in last couple of decades that Islamic universities have begun to study comparative religion.[6]

یہاں واٹ نے قیاس آرائی کرتے ہوئے اسلام کی خود انحصاری کے پہلو کو بنیاد بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہی وصف مسلمانوں کے ہاں دیگر مذاہب میں عدم دلچسپی کا باعث بنا تھا۔یعنی ایک ایسا مذہب جو مکمل ضابطہ حیات ہو، اپنے پیروکاروں کو دیگر مذاہب یعنی عیسائیت، یہودیت، ہندومت، مجوسیت اور بدھ مت کے مطالعہ کی اجازت کیونکر دے سکتا ہے؟اس کے ساتھ ساتھ واٹ نے یہ بھی تسلیم کیا ہے کہ عہدِ وسطیٰ کے مسلمانوں میں کارفرما اس سوچ اور نظریے کے باوجود ایک یا دو مسلمان علماء اس مقدمے سے مستثنیٰ قرار دیے جا سکتے ہیں۔اس کے بعد واٹ کا یہ دعویٰ بھی محل نظر ہے کہ مسلمان ممالک کی جامعات میں مطالعہ مذاہب کے مضمون کا آغاز حال ہی میں ہوا ہے۔

واٹ کے دلائل

اپنے دعوے کو مضبوط صورت میں پیش کرنے کے لیے منٹگمری واٹ نے اسلامی تاریخ کے بعض حوالہ جات کو پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ واقعی یہ خود انحصاری کا پہلو ہی تھا جس کی بنا پر مسلمانوں نے دیگر مذاہب کے ساتھ علمی تعامل میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کیا ہے:

1. واٹ لکھتا ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام کو اہل کتاب کے مذہبی ادب کا مطالعہ کرنے منع فرمادیا تھا۔
2. واٹ نے دعویٰ کیا ہے کہ صحیح بخاری کی ہی ایک روایت کے مطابق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ نے لوگوں کو اہل کتاب سے دینی امور سے متعلق سوالات پوچھنے سے منع فرمادیا تھا۔
3. صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے مطابق بتدریج احادیث میں اسرائیلیات کا مسترد ہونا بھی واٹ کے دلائل میں شامل ہے۔
4. واٹ ایڈورڈ گبن (Edward Gibbon) کی کتاب "history of the Roman Empire" کے حوالے سے لکھتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب اسکندریہ کو فتح کیا گیا تھا تب آپ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اسکندریہ کی لائبریری میں موجود ان تمام کتب کو نذرِ آتش کر دیا جائے جن میں قرآن مجید کی تعلیمات سے متعارض مواد موجود ہے[7]۔
5. واٹ کہتا ہے کہ امام حارث المحاسبی نے معتزلہ کے خلاف ایک کتاب دو حصوں میں لکھی تھی۔ پہلے حصے میں معتزلہ کے عقائد و افکار بیان کیے اور دورے حصے میں ان کا رد کیا تھا۔ امام احمد بن حنبل نے اس کتاب پر سخت تنقید کی تھی۔ ان کو یہ تشویش لاحق تھی کہ اگر کسی نے محاسبی کی کتاب کا صرف پہلا حصہ پڑھا تو ممکن ہے کہ وہ اس میں مذکور افکارِ اعتزال سے متاثر ہو کر معتزلہ کے گروہ میں شامل ہو جائے گا[8]۔
6. مسلمان ممالک میں سلیمان رشدی کی کتاب "The Satanic Verses" پر نہ صرف پابندی عائد کی جاچکی ہے بلکہ اس کو جلایا بھی گیا ہے۔ واٹ کے مطابق یہ بھی مطالعہ ادیان سے مسلمانوں کے اغماض کی دلیل ہے۔
7. الشیخ محمد رشید رضا رحمہ اللہ نے کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے مروی قصص پر سخت تنقید کی ہے حالانکہ ان کو امام بخاری نے مستند قرار دیا ہے۔ واٹ نے اس کو بھی دیگر ادیان کی روایات ورد کے ضمن میں اپنی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے[9]۔

واٹ کے دلائل کا تجزیہ

منٹگمری واٹ کی پیش کردہ مذکورہ بالا سات مثالوں کا ظاہری مطالعہ یہی بتاتا ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کے بارے میں منفی تاثر کا حامل ایک ایسا دین ہے جو اپنے پیروکاروں کی تربیت اس انداز سے کرتا ہے کہ وہ دیگر مذاہب کو سخت ناپسند کرنے لگیں۔ در اصل یہ واقعات تاریخ کے مراحل میں مخصوص منظر ناموں کے ساتھ مربوط ہیں۔ ان میں مذکور ممانعت بھی وجوہات اور ضروریات کے ساتھ مشروط ہے۔ اس لیے ان واقعات کی بنا پر یہ تاثر دینا کہ اسلامی عمومی طور پر دیگر مذاہب سے خار سے معمور مزاج پیدا کرتا ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس ضمن میں واٹ کا مؤقف دو بنیادی اور اساسی پہلوؤں کے اعتبار سے ناقص ہے:

1. واقعات کے مصادر
2. واقعات سے استدلال کا منہج

مصادر کے اعتبار سے اس لیے کہ واٹ نے متعدد کلاسیکی اور جدید مصادر کی مدد سے یہ مثالیں جمع کر کے پیش کی ہیں۔ گبن اور غزالی کا حوالہ زیر بحث واقعات کے علمی و تحقیقی معیار کی صداقت کے لیے حتمی نہیں ہے۔ نیز ان سے وہ مؤقف کسی بھی صورت ثابت نہیں ہوتا ہے جو واٹ نے پیش کیا ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ امام غزالی اور گبن نے ان واقعات کو پیش کرے ایک الگ نقطہ نظر پیش کیا ہے جو واٹ کے مؤقف سے موافق نہیں ہے۔ مثلاً: گبن نے اسکندریہ کی لائبریری کی کتابیں جلانے کے بارے میں حضرت عمر سے منسوب حکم والا واقعہ لکھنے کے بعد اس میں مذکور بیانیہ کی تردید کی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ:

the rigid sentence of Omar is repugnant to the sound and orthodox precepts of the Mahometan casuists: they expressly declare, that the religious books of the Jews and Christians, which are acquired by the right of war, should never be committed to the flames;[10]

"حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ سخت حکم اسلامی رہبری کے صحیح اور راسخ العقیدہ اصولوں کے خلاف ہے۔ وہ واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ جنگ کے بعد ہاتھ آنے والی یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابیں شعلوں کی نذر نہیں کی جانی چاہییں"۔

امام غزالی نے امام احمد بن حنبل کا مؤقف بیان کر کے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:وما ذكره احمد بن حنبل حق، ولكن في شبهة لم تنتشر ولم تشتهر فاما اذا انتشرت، فالجواب عنها واجب ولا يمكن الجواب عنها الا بعد الحكاية[11]

امام احمد بن حنبل نے جو فرمایا ہے وہ صحیح ہے لیکن یہ غلط فکر کے معاملے میں ہے جو کہ بڑے پیمانے پر معروف نہیں ہوتی ہے۔ البتہ جہاں ایسی غلط فکر بڑے پیمانے پر معلوم ہو وہاں اس کو سب سے پہلے بیان کرنے والے پر ہی اس کا رد پیش کرنا لازم ہے۔ جواب پیش کرنا اس کو ذکر کرنے کے بعد ہی ممکن ہے۔

جہاں تک سلیمان رشدی کی کتاب پر پابندی عائد کرنے کی بات ہے تو اس ضمن میں واٹ نے دو چیزیں ملحوظ نہیں رکھی ہیں۔ پہلی یہ کہ سلیمان رشدی کی کتاب کسی مذہب کی نمائندگی نہیں کرتی ہے اور نہ ہی یہ تقابل ادیان کی کتاب ہے۔ اس کتاب سے کسی بھی مذہب کو فائدہ نہیں پہنچا ہے البتہ اسلام کی حقیقت کو مسخ کر کے پیش کرنے کی غیر اخلاقی جسارت ضرور ہوئی ہے جس کا سدباب کرنا لازم تھا۔ اس لیے مسلمان ممالک کی حکومتوں نے اس پر پابندی عائد کر رکھی ہے تاکہ اسلام کی حقیقی تعلیمات کی حفاظت کی جاسکے۔

احادیث کے حوالے پیش کر کے بھی واٹ نے اپنا مؤقف ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ متنِ حدیث کے ضمن میں مسلم شارحینِ حدیث کو مکمل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ حالانکہ انہی احادیث کی شرح میں مسلمان علماء نے اسرائیلیات کو روایت کرنے کے بارے میں اسلامی مؤقف کو واضح کر رکھا ہے اور اس موضوع پر اپنی کتب میں مستقل عنوانات قائم کر رکھے ہیں[12]۔

ایک اہم بات یہ بھی ہے کہ بطور ضابطہ حیات اسلام کا خود انحصار ہونا تو ٹھیک، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہو سکتا کہ اسلام دوسرے ادیان کا مطالعہ کرنے سے منع کرتا ہے، یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مسلمانوں میں دوسرے مذاہب کا فہم حاصل کرنے والی شخصیات سرے سے موجود ہی نہیں تھیں۔ مسلمان جامعات میں حال ہی میں تقابل ادیان کی ابتداء نہیں ہوئی ہے بلکہ اس کی ابتداء صدر اسلام سے ہی ہو گئی تھی۔ واٹ کو چاہیے تھا کہ احادیث کے متون اور مسلم ادب کے دو حوالوں کو پیش کرنے کے بجائے تقابل ادیان کے شعبے کے ماہرین کی کتابوں کے حوالوں سے اپنا مؤقف ثابت کرتا، اسی صورت میں اس کے دعویٰ پر زیر غور رکھا جاسکتا تھا۔ لیکن تحقیق کے اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے واٹ نے محض صوفیانہ امور سے متعلق ایک کتاب، غیر مسلم کی تاریخ سے متعلق کتاب اور احادیث کے متون کے ظاہر کو بنیاد کر ایک نیا نظریہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

اگر بغور دیکھا جائے تو منٹگمری واٹ نے اپنے دعویٰ میں Jacques Waardenburg کے 1979ء میں شائع ہونے والے مقالہ پر انحصار کیا ہے جس کا عنوان "World Religions as Seen in the Light of Islam" ہے۔اس مقالہ میں مصنف نے مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ کے ضمن میں محض ایک یا دو مسلمانوں کا نام ذکر کیا ہے[13]۔ تاہم Jacques Waardenburg نے 1999ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے زیر اہتمام "Muslim Perceptions of Other Religions" شائع کی اور اس میں عہدِ وسطیٰ کے تقریباً بیس سے زیادہ مسلمان علماء کے مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ میں مستغرق پیش کیا تھا۔اس سے قبل مغربی دنیا میں ابن المقفیٰ (م:912)، الوراق (م:861) اور ابو محمد الحسن النوبختی (م:912) کو مستشرقین نے تقابل ادیان میں جگہ نہیں دی تھی لیکن مذکورہ کتاب میں ان مسلمان علماء کو بھی شامل کر دیا گیا ہے[14]۔لہٰذا اب چونکہ استشراق کو اس کے گھر سے ہی جوابی بیانیہ مل گیا ہے لہٰذا منٹگمری واٹ کا یہ دعویٰ قابل قبول نہیں ہے کہ دین اسلام کی کاملیت اس کے پیروکاروں کو دیگر ادیان سے علمی اعتبار سے دور رہنے کی ترغیب دیتی ہے۔

واٹ کے استدلال کی علمی کمزوری

یوں معلوم ہوتا ہے کہ واٹ نے نتیجہ پہلے طے کیا اور اس کے بعد ربط تلاش کر کے طے شدہ نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔اس کے دعوے میں کجی یہ ہے کہ اسلام کے تعلیمی خود انحصاری کے عنصر کو بنیاد بنا کر مسلمان علماء کو مورِد الزام ٹھہرایا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس لیے زندگی کے کسی بھی معاملے میں کسی دوسرے دین سے رہنمائی لینا یا کسی دوسرے مذہب کی معلومات حاصل کرنا حرام ہے۔اس کے نتیجے میں مسلمانوں نے صرف اسلام پر اکتفا کیا اور دیگر مذاہب و ادیان میں دلچسپی لینا چھوڑ دی تھی۔یہی وجہ ہے کہ اپنی کتاب میں مذکورہ بحث کے اختتام، پر واٹ نے لکھا ہے کہ:

Throughout the centuries the ulema have used their authority to prevent the dissemination of all heretical or non-Islamic views, and indeed of whatever deviated from their own teaching and from the self-image as they conceived it. The suppression or squeezing out of undesirable views has been carried out by methods not unlike those of western totalitarianism. In some Islamic countries at the present time it is virtually impossible for Muslim intellectuals to publish anything at variance with the dominant fundamentalism or traditionalism[15]

صدیوں کے دوران علمائے کرام نے درحقیقت اپنی مزعومہ تعلیمات اور اپنے تصورات سے انحراف کا سدباب کرنے کے لیے اپنے اختیار کو تمام کفریہ یا غیر اسلامی نظریات کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے استعمال کیا ہے۔ ناپسندیدہ خیالات کو دبانے یا نچوڑنے کے جو طریقے اختیار کیے گئے ہیں وہ مغربی مطلق العنانیت کے برعکس نہیں ہیں۔ موجودہ وقت میں بعض اسلامی ممالک میں مسلمان دانشوروں کے لیے غالباً بنیاد پرستی یا روایت پرستی سے مختلف ہو کر کچھ شائع کرنا عملی طور پر ناممکن ہے۔

علمائے اسلام کی طرف سے وسیع پیمانے پر بدعتی یا غیر اسلامی نظریات کی خاص طور پر عوام اور عام مسلمانوں میں روک تھام یا ممانعت کو سد ذرائع کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔اس کو امام غزالی نے بہتر انداز میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ما يصان الصبى عن شاطئ النهر خيفة عليه من الوقوع فى النهر"[16]

ایک بچے کا دریا میں ڈوب جانے کا خوف رہتا ہے اس لیے اس کو کنارے پر محفوظ تصور کیا جاتا ہے۔

لہٰذا اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ دیگر مذاہب کا مطالعہ شرعی طور پر حرام ہے۔ ابو مظفر اسفرائینی نے ابو فراس حمدانی کا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے جو اس موضوع پر منطبق کیا جاسکتا ہے:

عرفت الشر لا للشر لكن لتوقيه ومن لم يعرف الخير من الشر يقع فيه[17]

میں شر کو پہنچانا ہوں، شر کے لیے نہیں بلکہ اس سے بچنے کے لیے۔ جو شخص شر کے مقابلے میں خیر کو نہیں جانتا وہ اس (شر) میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید مسلمانوں کو دیگر مذاہب اور معاشروں کی معرفت کا درس دیتا ہے۔ اس لیے یہ دعویٰ کسی صورت قبول نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں کے لیے دیگر مذاہب کی معرفت ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ[18]

اے لوگو! بے شک ہم نے تمھیں ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنا دیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بے شک تم میں سب سے عزت والا اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے، بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، پوری خبر رکھنے والا ہے۔

لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ منٹگمری واٹ نے اسلام کے کلی نظامِ فکر کو سمجھنے کے بجائے مقصدیت کو بنیاد بنا کر ایک ایسے ہدف کو حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جس میں اساسی اور بنیادی سطح پر ہی تحقیقی ٹھوکر کا ارتکاب کیا ہے۔

مذاہب عالم کے تقابلی مطالعہ میں مسلم کاوشوں کے مظاہر

دنیا میں مسلم اور غیر مسلم سکالرز نے مطالعہ مذاہب یا تقابل ادیان کے شعبہ میں مسلمانوں کی خدمات کو تسلیم کر رکھا ہے۔ مرحوم احمد شلبی لکھتے ہیں کہ تقابل ادیان کے نظم و ضبط میں فکری ترقی کے حوالے سے سب سے پہلے مسلمانوں نے حصہ ڈالا تھا۔ حالانکہ اس وقت دیگر مذاہب کے پیروکار دوسرے مذاہب کا یا تو سرے سے انکار کر دیتے تھے یا ان کے بارے میں انتہائی توہین آمیز رویہ اختیار کرتے تھے[19]۔

تقابل ادیان میں مسلمانوں کی علمی اور فکری میراث ہمیشہ بے نظیر، مکمل اور ناقابلِ تنقیص رہی ہے۔ اس کا آغاز، جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے، اسلام کے ابتدائی ایام سے ہی ہو چکا تھا۔ یہاں یہ انتہائی مفید معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان علماء کی ان علمی تصنیفات کا ذکر کر دیا جائے جن کا تقابلی مطالعہ ادیان کے ساتھ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ ہمارا جوابی بیانیہ محض توضیحات پر مشتمل نہیں ہے بلکہ اس کی عملی مثالیں بھی موجود ہیں جن کی مدد سے واٹ کے مؤقف کو مسترد کیا جا سکتا ہے۔

- حسن بن موسیٰ نوبختی (م:819)، کتاب الاراء والدیانات ولم یتمّہ
- المسعودی (م:956)، الدیانات
- محمد بن عبید اللہ المسبحی (م:1030ء)، درک البغیۃ فی وصف الادیان والعبادات
- ابو منصور البغدادی (م:1037)، الملل والنحل
- ابن حزم (م:1064)، الفصل فی الملل والاھواء النحل
- البیرونی (م:1048)، تحقیق ماللہند
- شہرستانی (م:1153)، الملل والنحل[20]

بدقسمتی سے ان میں سے زیادہ تر تصنیفات کا ذکر مناقب، طبقات اور تاریخ کی کتب میں ملتا ہے جس کی وجہ سے ان میں سے چند ہی علمی حوالوں کی حیثیت سے ہم تک پہنچ سکی ہیں۔ اسی لیے الشیخ شلبی مسلمانوں کو ترغیب دیتے ہیں کہ وہ ماضی کی اس علمی روایت کو جاری

رکھیں[21]۔ اس تشویش کے احساس کو معاصر دنیا کے مسلمان علماء نے بھی اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں محمد عبد اللہ الشر قاوی سرِ فہرست ہیں۔ الشیخ الشر قاوی کا مؤقف ہے کہ دیگر اقوام اور مذاہب کے مطالعہ کے ضمن میں مسلمان علماء کے دو اوصاف انتہائی اہم ہیں:

1. مطالعہ مذاہب کو مسلمان علماء نے ایک الگ شعبے کے طور پر آزادانہ حیثیت واہمیت دی تھی۔
2. مسلمان علماء کے مطالعہ کی بنیاد امانت و دیانت تھی اس لیے ان کی تحقیقات کے نتائج قابل اعتماد ہیں[22]۔

غیر مسلم محققین کی گواہی

مسلمانوں کی جانب سے ماضی اور حال کی کاوشوں کو متعدد غیر مسلم محققین نے بھی تسلیم کیا ہے۔ مثلا معروف برطانوی مسیحی مشنری "H.U. Weitbrecht Stanton"(م:1937)نے لکھاہے کہ:

No other scripture in the world teaches comparative religion as the Qur'ān[23]

دنیا میں کوئی بھی صحیفہ قرآن مجید کی طرح تقابل ادیان کی تعلیم نہیں دیتا ہے۔

اسی طرح "Whilst, Adam Mez"(م:1917)نے تفصیلاً لکھاہے کہ عہد وسطیٰ کے یورپ میں جو مذہبی رواداری کا سخت فقدان تھا وہ مسلمان دنیا میں موجود تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مسلمان مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ کرتے تھے۔ وہ لکھتا ہے کہ:

This toleration found expression in Islam in the creation of the science of Comparative Religion and its enthusiastic cultivation[24]

اسلام میں اس رواداری کا اظہار مذاہب عالم کے تقابلی علوم اور اس شعبے کی پرجوش آبیاری کی صورت میں ہوا تھا۔

معروف مستشرق "Franz Rosenthal"(م:2003)نے بھی تسلیم کیاہے کہ:

The comparative study of religions has been rightly acclaimed as one of the great contributions of Muslim civilization to mankind's intellectual progress[25].

انسانی کی فکری بہتری میں مسلم تہذیب کے عظیم اشتراک کے طور پر مذاہب کا تقابلی مطالعہ بجا طور پر ستائش پا چکا ہے۔

المختصر انسانی تہذیب کو درپیش تکثیری مسائل کو اسلامی معاشرے میں بہت پہلے پہچان لیا گیا تھا۔ اس لیت تہذیبی ارتقاء کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے مذاہب عالم کے مطالعہ کی ہر مرحلے پر حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف ایک ہی سچا دین ہے اور قرآن مجید نے اس کو اسلام سے موسوم کیا ہے[26]لیکن یہ بھی مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا میں بے شمار مذاہب اور عقائد کے حامل افراد رہے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید دیگر مذاہب کے فہم کے لیے اہل علم کو تحقیق و تمحیص کی ترغیب دیتا ہے۔ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے متعدد اہل علم نے دیگر مذاہب کو دعوتی مقاصد کے لیے مطالعہ کا حصہ بنایا اور تاریخ میں ان میں سے بعض کو تقابل ادیان کے شعبے میں سند کا درجہ بھی حاصل ہو گیا تھا۔

مطالعہ مذاہب سے متعلق اسلامی ادب کی جہات

مغربی دنیا میں مطالعہ مذاہب کی دو اہم جہات کو پیش نظر رکھ کر اس شعبہ میں آگے بڑھنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ پہلی جہت کو Purposive جب کہ دوسری جہت Non-Purposive کہلاتی ہے۔ آگے بڑھنے سے قبل ان دونوں کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔

جب کسی تصنیف کا بنیادی مقصد ہی دوسرے مذاہب یا مذہب کے بارے میں معلومات پیش کرنا اور ان کا تجزیہ کرنا ہو تو اس تصنیف کے پیچھے مطالعاتی اور تالیفی کاوش کو مقصدی (Purposive) کاوش کا نام دیا جاتا ہے۔ ایسی تصنیف میں دوسرے مذاہب کے بارے میں ان کی کتابوں کی روشنی میں تفصیلات پیش کی جاتی ہیں اور پھر ان کا تجزیہ، تنقید، توصیف یا تنقیص ذکر کر کے نتائج بیان کیے جاتے ہیں۔

دوسری جانب اگر کسی موضوع کے بارے میں معلومات پیش کرتے ہوئے ضمنی طور پر دوسرا مذہب زیر بحث آ جائے اور مصنف اس موضوع میں رہتے ہوئے دوسرے مذہب کے متعلقہ پہلوؤں کا احاطہ کرے، اس کا مقصد دوسرے مذہب کے بارے میں موسوعاتی اسلوب کی معلومات پیش کرنا نہ ہو بلکہ زیر غور پہلو کی توضیح کے لیے مذہب کو ضمنی طور پر بیان کرنا ہو تو اس کاوش کو Non-Purposive کہا جاتا ہے۔

مذاہب عالم کے مطالعہ سے متعلق مسلم علمی تراث کو دیکھنے اور اس کو سمجھنے کے لیے انتہائی مدد و معاون ہے [27]۔

مطالعہ مذاہب کے مقصدی پہلو پر مسلم تراث

آٹھویں اور نویں صدی میں مسلمانوں نے دیگر مذاہب سے متعلق اہم اور مستقل تصانیف پیش کی تھیں اور ان کا بنیادی مقصد ہی دیگر مذاہب کے بارے میں مسلمان معاشرے کے لوگوں کو دوسرے ادیان کے بارے میں معلومات فراہم کرنا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کا مقصد اسلام کے احقاق اور غیر مسلموں کو اسلام کی جانب راغب کرنا بھی تھا۔ یہ منہج عہد نبوی اور عہد صحابہ میں بھی ملتا ہے لیکن اس وقت یہ زبانی اور کلامی تھا۔ بعد کے زمانوں میں اس کو تحریری اور تصنیفی صورت دے دی گئی تھی [28]۔

مسلم علمی تراث میں متعدد مناہج ملتے ہیں جن میں بیانیہ، مناظرانہ، داعیانہ مدافعانہ، ناقدانہ اور استرادی منہج شامل ہے۔ بعض مسلمان علماء نے مذاہب کے مخصوص امور کو زیر بحث رکھ کر تجزیاتی انداز میں اپنی آراء پیش کی ہیں۔ ایسے علماء بھی موجود ہین جن کی تصانیف میں بیک وقت ایک سے زیادہ مناہج کی پیروی کی گئی ہے۔ ان میں بیانیہ، مناظرانہ اور تجزیاتی اسالیب غالب نظر آتے ہیں۔

بیانیہ انداز اختیار کرتے ہوئے مسلمان علماء نے محض معلومات اور حقائق پیش کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ ان کے ہاں تقابل و تجزیہ کے بجائے ترسیل معلومات کو کافی سمجھا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں یہ اسلوب پایا گیا ہے وہاں تنقید اور استرادیا تو سرے سے موجود ہی نہیں ہے، اگر موجود ہے تو انتہائی اختصار کے ساتھ ہے۔ مطالعہ مذاہب سے متعلق عصرِ حاضر کی نصابی کتب اسی اسلوب میں تیار کی جاتی ہیں۔ شہرستانی کی "الملل والنحل" اس اسلوب کی نمائندہ کتاب ہے۔

مناظرانہ انداز میں پیش کردہ کتب میں مسلمانوں کا مقصد اسلام کا دفاع اور دیگر ادیان کا بطلان ہے۔ کلاسیکی اور عہدِ وسطیٰ میں مطالعہ مذاہب کے ضمن میں اس انداز کی کتب کے ناموں کے شروع میں "الرد" کا سابقہ لگایا جاتا تھا۔ مسیحیت سے متعلق ایسی کتب میں ایک طرف عیسائیوں کے عقائد پر تنقید کی جاتی تھی تو دوسری جانب عیسائیوں کے مذہبی صحائف کو زیر بحث رکھا جاتا تھا [29]۔ اس منہج کی پیروی میں جو کتابیں پیش کی گئی تھیں ان میں ابو عیسیٰ الوراق (م:994) کی "الرد علی النصاریٰ"، ابن حزم کی "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" اور ابن تیمیہ (م:1328) کی "الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح" شامل ہے۔

جن مسلمان علماء نے تجزیاتی اسلوب اپنایا ہے وہ دیگر مذاہب کے مخصوص پہلوؤں کو زیر بحث رکھتے ہوئے ان کا گہرائی میں جا کر مطالعہ کرتے ہیں۔ اس دوران وہ دلائل کا تقابل و تجزیہ کرتے ہوئے مذاہبِ عالم کے پیش کردہ تصورات کو رد یا قبول بھی کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کا مزاج علمی ہے۔ اس ضمن میں نظریاتی اور عملی، دونوں امور کو شاملِ تحقیق کیا جاتا ہے۔ تجزیاتی منہج کے پیروکار علماء نے دیگر

مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے مذاہب کے اوصاف اور کمزوریوں سے آگاہ کرتے ہوئے اصلاح اور بہتری کی جانب رہنمائی بھی کی ہے۔ علمی جرائد میں شائع ہونے والے مضامین، تعلیمی اداروں میں پیش ہونے والے مقالات اور مختلف اداروں کی جانب سے منعقد ہونے والے سیمیناروں کی روداد میں اس منہج کے مظاہر دیکھے جاسکتے ہیں۔ اسماعیل الراجی الفاروقی کی کتاب "Christian Ethics" "عصرِ حاضر میں اس اسلوب کی نمائندہ کتاب ہے[30]۔

مطالعہ مذاہب کا غیر مقصدی منہج

مسلمانوں کے ہاں مطالعہ مذاہب کے غیر مقصدی منہج سے مراد یہ ہے کہ سماجی علوم کے کسی بھی پہلو پر جب کوئی مسلمان اپنی تصنیف اور تالیف کے مراحل سے گزرتا ہے تو کسی معاشرے یا سماج کے بارے میں معلومات مہیا کرنے کی غرض سے اس کے مذہب اور مذہب کے مندرجات و مشمولات سے بھی اپنے قاری کو آگاہ کرتا ہے۔ اس کا مقصد مذہب کو بحث کا مرکز بنانا نہیں ہوتا بلکہ مذہبی معلومات کی حیثیت محض ضمنی ہوتی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے تاریخ، عمرانیات، نفسیات، معاشیات اور دیگر امور سے متعلق جو مصنفات پیش کی ہیں ان میں مذہبی مباحث اسی منہج کی پیروی میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں مندرجہ ذیل اسلامی علوم سے متعلقہ کتب میں مواد تلاش کیا جاسکتا ہے:

- کتبِ تفسیر
- شروحاتِ حدیث
- کتبِ تاریخ
- فقہ اسلامی کی کتب
- مسلمانوں کے سفرنامے
- ابتدائی عہد کے سماجی علوم
- تصوف

دیگر مذاہب کے مطالعہ سے متعلق اسلامی تراث کو اس درجہ بندی میں تقسیم کرنے کے متعدد فوائد ہیں۔ معروف امریکی فلسفی اور مؤرخ George Sarton(م:1956)نے اس تقسیم کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"ایک انتہائی تربیت یافتہ عالم جانتا ہے کہ (بعض اوقات) کسی موضوع پر کچھ معلومات ان کتب میں مل سکتی ہیں جو دوسرے بڑے موضوعات پر لکھی ہوتی ہیں۔ مثلاً (یہ ممکن ہے کہ) ابن سینا سے متعلق وقیع معلومات تاریخِ اسلام کی کسی عام سی کتاب میں موجود ہوں لیکن کسی طبی جریدے یا مابعد الطبیعاتی تحریر میں عنقا ہوں[31]"۔

لہٰذا مقصدی اور غیر مقصدی تقسیم کے ذریعے مسلمانوں کی مذاہب فہمی کے بارے میں قاری کو متعدد پہلوؤں سے سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ ایک جانب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی علماء نے دیگر مذاہب کے مطالعہ میں کس اسلوب کی پیروی کی ہے تو دوسری جانب یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ دیگر علوم کے مسلمان ماہرین غیر اسلامی ادیان کے بارے میں کیا نقطہ نظر رکھتے ہیں۔

قرآنی تفاسیر میں مذاہب عالم کے فہم کی بنیادیں

مذاہب عالم کے مطالعہ کے جمن میں قرآن مجید مسلمان علماء کو انتہائی مضبوط اور واضح بنیادیں فراہم کرتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمان مفسرین نے قرآن مجید کی مخصوص آیات کی وضاحت کے دوران دیگر مذاہب کے عقائد اور نظریات پر مباحث پیش کیے ہیں۔مثلاً کلمہ "دین" قرآن مجید میں نو مرتبہ، "الیہود" سات مرتبہ، "ھادوا" دس مرتبہ، "النصاریٰ" تین مرتبہ، "اہل کتاب" اکتیس مرتبہ اور "المشرکین" چوبیس مرتبہ مذکور ہے۔نمونے کی یہ اصطلاحات مسلمانون کے ہاں مطالعہ مذاہب میں وسیع پیمانے پر مستعمل ہیں۔مسلمان علماء نے انہی اصطلاحات کی بنیاد پر قرآن مجید سے مدد لیتے ہوئے دیگر مذاہب کے بارے میں اپنا فہم قائم کیا ہے۔

قرآن مجید کے بعد اسلامی علوم کا دوسرا مصدر حدیث ہے۔اس لیے قرآنی تفاسیر کی طرح احادیث کی کتابوں کی شروحات میں بھی دیگر مذاہب کے بارے میں اہم معلومات دستیاب ہیں۔نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ تعامل اور رویہ احادیث مبارکہ میں مذکور ہے۔آپ ﷺ نے اپنے فرامین اور عمل کے ذریعے مسلمانوں کو غیر مسلموں کے بارے میں عقائد کی تعلیم دی ہے۔اس کی تفصیلات احادیث کی کتب اور ان کی شروحات میں موجود ہیں۔

دیگر مذاہب کے مطالعہ میں مسلم تراث کا ایک حصہ کتب تواریخ میں بھی مذکور ہے۔البتہ اس میں تمام مسلمان مؤرخین کا کام لائق التفات نہیں ہے کیونکہ بعض کتب تاریخ میں اس ضمن میں انتہائی کم مواد دیا گیا ہے۔متعدد مؤرخین نے نہ صرف دیگر اقوام یے مذاہب کے بارے میں جامع معلومات فراہم کی ہیں بلکہ ان کا تجزیہ و تقابل کرکے کسی منطقی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش بھی کی ہے۔مؤرخین نے ادیان کے ارتقاء کی تاریخ بھی بیان کی ہے اور اس ضمن میں یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور ہندومت کی تاریخ کے متعدد ایسے پردے کھولے ہیں جو ان سے قبل منکشف نہیں ہوئے تھے۔

مسلمانوں کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کے ضمن میں مسلمان فقہاء نے اپنی کتابوں میں مستقل ابواب اور مباحث قائم کیے ہیں۔اہل کتاب کے ضمن میں یہ علم السیاسۃ الشرعیہ سے موسوم ہے۔ماضی میں مذاہب فقہیہ اور عصر حاضر کے فقہی مکاتب اس میدان میں مسلسل مصروف عمل نظر آتے ہیں۔

اختتامیہ

منٹگمری واٹ کے پاس یہ دعویٰ کرنے کی کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں ہے کہ اسلامی تعلیمات کی کاملیت اور خود انحصاری کی وجہ سے مسلمانوں نے مطالعہ مذاہب کے ضمن میں دلچسپی سے اغماض کیا ہے۔دیگر مذاہب کے بارے میں مسلمانوں نے ایک گراں قدر اور انمول علمی میراث دنیا کو دی ہے۔واٹ کے مطابق اس کی ابتداء عہد حاضر میں ہوئی ہے جب کہ حقیقت میں اس کا آغاز صدر اسلام میں ہی ہو گیا تھا۔اپنی کتاب Muslim-Christian Encounters میں اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے جو دلائل مہیا کیے ہیں وہ کمزور اور غیر متعلقہ ہیں۔اس کو چاہیے تھا کہ مذاہب عالم سے متعلق مسلمان علماء کی کتب اور ان کی تحریری خدمات کو سامنے رکھ کر کوئی دعویٰ قائم کرتا اور اس حوالے سے تقابل ادیان کے شعبے کے ماہرین کی آراء کو بھی مد نظر رکھا جاتا، علمی اور تحقیقی مزاج اس کا متقاضی ہے۔لیکن واٹ نے یک طرفہ مؤقف اور جلد بازی کی بنیاد پر نامکمل تصور پیش کیا ہے جس کو علمی حلقوں میں کسی بھی صورت قبول نہیں کیا جاسکتا ہے۔

یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ماضی میں مسلمان علماء نے جملہ شعبوں میں اپنے علم اور اپنی تحقیقات کے جوہر دکھائے تھے۔ان میں سے بعض علماء نے مذاہب عالم سے متعلق مستقل اور بعض نے جزوی طور پر کام کر رکھا ہے۔مسلمانوں نے اس ضمن میں مقصدیت کے پیش نظر بیانیہ، تجزیاتی اور تقابلی اسلوب میں مستقل کتب پیش کی ہیں۔اس کے علاوہ غیر مقصدی اسلوب کی پیروی میں اپنی کتابوں میں ضمنی طور پر دیگر ادیان اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں معلومات پیش کی ہیں۔یہ کتب اب شائع ہو چکی ہیں اور ان کا منصہ شہود پر آجانا منٹگمری واٹ کے دعویٰ کی تردید کے لیے کافی ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

حوالہ جات(References)

[1] Alastair McIntosh , Bashir Maan, The Whole House of Islam, An interview with the Last Orientalist, The Coracle, the Iona Community. (2000), Vol, 3, Issue,51, P. 8

[2] Richard Holloway, William Montgomery Watt, A Christian scholar in search of Islamic understanding, The Guardian UK, 8 September, (2015)

[3] William Montgomery Watt, Muslim-Christian Encounters, Routledge, London and New York, (1991), P. 41

[4] طہ جابر الوانی، اصول الفقہ الاسلامی، انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف اسلامک تھاٹس، ورجینیا، 1990، ص 7تا9

Tahā Jabir AlAlwani, Usūl alFiqh alIslamī, The International Institute of Islamic Thought, Virginia, (1990), P. 7-9

[5] النساء:59

[6] Muslim-Christian Encounters, 42

[7] Edward Gibbon, The History of the Decline and Fall of the Roman Empire, William Y. Birch and Abraham Small, Philadelphia , (1805) Vol 6, P. 366 -367

[8] ابوحامد الغزالی، المنقذ من الضلال، دار الاندلس، بیروت، ص118، 119

Abū Hamid Al-Ghazāli, Al-Munqiz mn Al-Zalāl, Dār ul Andulas, Berūt, P. 118,119

[9] Muslim-Christian Encounters, P. 41 - 44

[10] Fall of the Roman Empire, P. 367

[11] المنقذ من الضلال، ص119

Al-Munqiz Min Al-Zalāl, P.119

[12] دیکھیے:

- محمد بن ادریس الشافعی، الرسالۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ص397تا400۔
- ابن تیمیہ، مقدماہ فی اصول التفسیر، دار ابن حزم، بیروت، 1994، ص90تا91۔
- ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مؤسسۃ قرطبۃ، قاہرہ، 2000ء، ج1، ص9تا10۔
- احمد بن حجر عسقلانی، فتح الباری، الریاض، 2001ء، ج6، ص575۔
- محمد حسین الذہبی، الاسرائیلیات فی التفسیر والحدیث، مکتبۃ وہبہ، قاہرہ، 1990ء، ص41تا52۔
- صلاح عبد الفتاح الخالدی، مع قصص السابقین فی القرآن، دار القلم، دمشق، 2007ء، ص43تا55

See:

- Muhammad bin Idrees Shafī, Al-Risalah, Dār ul Kutub Al-Ilmiyah, Berūt, P. 397- 400
- Ibn eTayniya, Al-Muqaddamah fī Usūl ul Tafsīr, Dār ul Ibn e Hazm, Berūt, 1994, P. 90-91
- Ibn e Kathīr, Tafsīr ul Qurān Al-Azīm, Muassisa Qurtaba, Qahira, 2000, P. 9-10
- Ahmed Bin hajr Al-Asqalanī, Fath ul Bari, Riyādh, 2001, Vol 6, P. 575

- Muhammad Hussain Al-Zahbi,Al-Israeliyāt fī Al-Tafsīr Wal Hadīth, Maktaba Wahbah, Qairo, 1990, P. 41 – 52
- Salah Abdul Fatah AlKhalidi, Ma Qasas ul Sabiqīn fī al-Qurān, Dār ul Qalam, Damasqus, 2007, P. 43 - 55

[13] Muslim-Christian Encounters, 154

[14] Jacques Waardenburg, Muslim Perceptions of Other Religions, Oxford University Press, (1999), P. 18 -59

[15] Muslim-Christian Encounters, 44

[16] ابو حامد الغزالی، احیاء العلوم الدین، دار المعرفۃ، بیروت، 1982ء، ج 1، ص 22

Abu Hamid Al-Ghazalī, Ahyaul Ulūm ul Deen, Dār ul marifat, Berūt, 1982, Vol1, P. 22

[17] ابو مظفر اسفرائینی، التبصیر فی الدین، مکتبۃ الازہریہ لتراث، قاہرہ، 2010ء، ص 14

Abu Muzaffar Asfaraini, Al-Tabsīr fī Al-Deen, Maktabah Al-Azhariyah li Turas, Qairo, 2010, P. 14

[18] الحجرات: 13

Al-Hujurāt: 13

[19] احمد شلبی، مقارنۃ الادیان: الیہودیۃ، مکتبۃ النہدۃ المصریۃ، قاہرہ، 1988ء، ص 24

Ahmed shilbi, Maqarant ui Adiyān Al-Yahoodiyah, Maktabat ul nahdah Al-Misriyah, Qairo, P. 24

[20] ایضا، ص 28، 27

Ibid, P. 27, 28

[21] ایضا، ص 24، 36

Ibid, P. 24, 36

[22] محمد عبد اللہ الشرقاوی، بحوث فی مقارنۃ الادیان، دار الفکر العربی، قاہرہ، 2010ء، ص 16 تا 18

Muhammad Abdullah Sharqawi, Buhoos fi Maqaranat ul Adyān, Dār ul Fikar Al-Arabi, Qairo, 2010, P. 16 - 18

[23] Ghulam Haider Aasi, The Qur'ān and Other Religious Traditions, Hamdard Islamicus, (1989), Vol 9. Issue, 2, P. 65

[24] Adam Mez, The Renaissance of Isla, Jubilee Printing & Publishing House, Patna, (1937), P. 32, 209, 210

[25] Bruce Lawrence, Shahrastani on the Indian Religions,Mouton Company, Mouton, (1976), P. 5

[26] آل عمران: 19، 85

Al-Imrān:19, 85

[27] اس پہلو پر مسلمانوں کے مطالعہ مذاہب کے لیے دیکھیے:

Muslim Heritage In Religionswissenschaft, Journal of Islamic Studies and Culture, American Research Institute for Policy Development, USA, Vol. 2 Issue 2; September (2014) ,P. 2333-5904

[28] دیکھیے:

Kamar Oniah. Early Muslim Scholarship in Religionswissenschaft, International Institute of Islamic Thought and Civilization, Kuala Lumpur, (2003)

[29] Ibid, P. 25

[30] Isma‘il Raji Al-Faruqi, Christian Ethics, A.S. Nordeen, Kuala Lumpur , (1999)

[31] George Sarton, Introduction to the History of Science, Robert E. Krieger Publishing Company Incorporation, (1975), Vol 3, P. 9